ترجمہ
لوامع البیان
سورة الذاریات

بسم الله الرحمن الرحیم

(۳۱) **قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَاالْمُرْسَلُوْنَ** (ترجمہ: (ابراہیم نے) فرمایا کہ اے بھیجے گئے فرشتو! تمہارا مقصد کیا ہے؟) خطب کے معنی ہیں حقیقت اور مقصد معاملہ کام چھوٹا ہو یا بڑا۔ نیز خطب کسی معاملہ کے سبب کو بھی کہا جاتا ہے جب کسی سے کہا جائے کہ **ما خطبک** تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تیرا اصل معاملہ' مقصد کیا ہے۔ یہاں پر "مرسل" لفظ اپنی اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ وہ لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے لئے بھیجے گئے تھے، مقصد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ اے بھیجے گئے فرشتو! اس بشارت (سنانے) کے علاوہ تمہارا اور مقصد کیا ہے ؟

(۳۲) **قَالُوْٓا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ** (ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں) یعنی کافر قوم کی طرف۔ اس سے ان کی مراد لوط علیہ السلام کی قوم تھی۔

(۳۳) **لِنُرْسِلَ** (ترجمہ:۔تاکہ ہم برسائیں) یعنی اسلئے کہ ہم اتاریں۔ **عَلَيْهِمْ** (ترجمہ:۔ان پر) آسمان سے **حِجَارَةً** (ترجمہ:۔پتھر) یعنی تاکہ ہم انہیں سنگسار کریں۔ **مِّنْ طِيْنٍ** (ترجمہ:۔مٹی کے) آگ میں پکے ہوئے کنکر (پتھر بنے ہوئے)

(۳۴) **مُّسَوَّمَةً** (ترجمہ:۔نشان زدہ ہیں) یہ لفظ (مسومة) حجارة کی صفت ہے۔ پتھر پر ہر عذاب پانے والے شخص کا نام لکھا ہوا تھا۔ روایت ہے کہ ہر پتھر سفید تھا اور اس میں ایک سیاہ نقطہ تھا۔ یا یہ کہ پتھر سیاہ تھا اور اس میں ایک سفید نقطہ تھا۔ تسویم کا یہی معنی ہے ۔ فقہاء کرام نے لوطی فعل کے مرتکب شخص کے لئے رجم کے وجوب کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے ۔ **عِنْدَ رَبِّكَ** (ترجمہ:۔تیرے رب کے پاس) یہ لفظ مسومة کا ظرف ہے .**لِلْمُسْرِفِيْنَ** (ترجمہ:۔حد سے بڑھنے والوں کے لئے) کفر اور منہیات میں۔

(۳۵) **فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** (ترجمہ:۔تو ہم نے نکال لیا اُنہیں جو اسی (بستی) میں ایمان والے تھے) یعنی جب ہم نے انہیں عذاب دینا چاہا تو اس وقت اس بستی میں جو بھی مومن موجود تھے ہم نے انہیں نکال لیا۔ اس بستی سے مراد "سدوم" کی بستی ہے۔ اسی بستی میں لوط علیہ السلام اور آپ کی قوم رہتی تھی، امام سدی اور امام مقاتل نے فرمایا ہے کہ وہ چھ لاکھ افراد

تھے اور سب کے سب مجرم لوگ تھے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی شخص لواطت اور زنا سے احتراز کرنے والا نہیں تھا اور کوئی ایک بھی ان میں سے لوط علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا۔ انہوں نے اس قبیح فعل سے احتراز نہیں کیا۔ حالانکہ لوط علیہ السلام نے انہیں یہ پیشکش بھی کی کہ وہ ان کے ساتھ اپنی بیٹیوں کے نکاح کرا دیتے ہیں تا کہ شاید (اس طرح) ان میں سے کوئی آپ کے لئے قوت بازو بنے اور آپ کا ان سے دفاع کرے۔ مگر انہوں نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور کہنے لگے کہ (اے لوط علیہ السلام) یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ تمہارے بیٹیوں میں ہمارے لئے کوئی کشش نہیں ہے اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

(۳۶) **فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ** (ترجمہ:۔تو ہم نے اس میں مسلمانوں کے ایک گھر کے علاوہ کوئی نہیں پایا) یعنی اس ''سدوم'' کی بستی میں۔ معنی یہ ہے کہ اس بستی میں ایک لوط علیہ السلام کے گھر کے علاوہ مسلمانوں کا اور کوئی بھی گھر نہیں تھا۔ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ اگر اس بستی میں اس ایک گھر کے علاوہ اور بھی گھر (مسلمانوں کے) ہوتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ انہیں بھی نجات عطا فرماتا۔ تا کہ وہ لوگ جان سکیں کہ ایمان اللہ کے ہاں محفوظ ہوتا ہے۔ اسے اللہ ضائع نہیں کرتا، لوط علیہ السلام کے گھر میں آپ کی دو بیٹیاں اور بیوی تھیں۔ البتہ آپ کی بیوی حضرت لوط کی قوم کے ساتھ ملی ہوئی تھی تو وہ بھی ان کی قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوگئی۔ یہاں سے اسلام اور ایمان کا علم ہوتا ہے اور ہم اس سے پہلے اس بحث کو وضاحت سے ذکر کر چکے ہیں۔

(۳۷) **وَتَرَكْنَا فِيْهَا** (ترجمہ:۔اور ہم نے اس بستی میں باقی رکھی) یعنی کافروں کی ہلاکت کے بعد اس بستی میں **اٰيَةً** (ترجمہ:۔ایک نشانی) یعنی ایسی علامت جو انہیں ملنے والے عذاب پر دلالت کرے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے زمین کے نیچے اپنا پر داخل کر کے ان کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑ لیا اور انہیں اوپر اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کی چیخ و پکار اور رونے کی آوازیں آسمانوں پر سنائی دے رہی تھیں۔ پھر اس نے انہیں اوندھا کر کے گرا دیا اور ان پر نشان زدہ پتھر برسائے اور ان پتھروں میں سیاہ نقطہ تھا۔ پھر اس نے ان پتھروں سے زمین پر ان کے نشانے باندھے۔ یہ ہے ان کے عذاب کی علامت۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نشانی سے مراد وہ سیاہ اور بدبودار پانی ہے جو ان کی زمین سے نکلا۔ یا (اس سے مراد) ان بستیوں میں عذاب کے آثار ہیں اور بظاہر بھی یہی مراد ہے۔ اس میں کوئی بھی اخفاء نہیں۔ **لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ** (ترجمہ: ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں) یعنی ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

(۳۸) **وَفِيْ مُوْسٰى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ** (ترجمہ:۔اور موسیٰ (کے قصہ) میں بھی جبکہ ہم نے اسے واضح دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا) یعنی اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں یا اس کی سرزمین میں نشانی رکھدی۔ پہلا قول فراء اور ابن عطیہ کا ہے اور دوسرا قول ابن سمین؟ کا ہے اور ''سلطٰن مبین'' سے مراد ظاہری حجت ہے۔

(۳۹) **فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ** (ترجمہ:۔تو اس نے اپنی قوت کے گھمنڈ میں منہ موڑا) اخفش نے کہا ہے کہ ''تولیٰ'' کے معنی

ہیں ردگردانی کرنا۔منہ موڑنا اور "الرکن" کے معنی ہیں جانب یا طرف یعنی فرعون نے ایمان کی طرف سے اپنے لشکر کی طرف منہ موڑا جو اس کے ساتھ تھا۔صاحب لسان فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے رکن کا مطلب ہے مضبوط کونا اور ہر وہ چیز جس کے ذریعہ قوت حاصل کی جائے خواہ وہ ملکیت و دولت ہو یا لشکر وغیرہ تو معنی یہ ہوگا کہ اس نے اپنی دولت اور لشکر کے بل بوتے پر ایمان سے اعراض کیا۔ **وَقَالَ** (ترجمہ:۔اور کہا) یعنی فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ تو **سٰحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ** (ترجمہ:۔جادوگر ہے یا پاگل) شیخ طبری نے کہا ہے کہ (فرعون کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ) وہ جادوگر ہے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرتا ہے یا وہ پاگل ہے اسے دیوانگی لاحق ہے معمر بن مثنیٰ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "اَوْ" کا لفظ "واؤ" کے معنی میں ہے جو کہ موالاۃ (تسلسل) کے لئے آتا ہے کیونکہ یہ جملہ (ساحر او مجنون) ان سب نے کہا تھا اور اس (معمر بن مثنیٰ) نے دلیل کے طور پر جریر خطفی کا یہ شعر پیش کیا ہے۔

اثعلبة الفوارس او رباحا عدلت بهم طهية و الخشابا

ثعلبہ بنو تمیم کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔اس لئے فوارس کا لفظ اس کی صفت اور بدل واقع ہوا ہے۔ابن السیرافی کا کہنا ہے کہ یہاں پر فوارس پر زبر ہے کیونکہ وہ ثعلبة کی صفت ہے اور "اَوْ" کا لفظ "واؤ" کے معنی میں ہے کیونکہ وہ فوارس پر عطف ہے اور ثعلبة رباح ، طهيّة خشاب یہ سب قبائل کے نام ہیں۔معنی یہ ہونگے کہ تو نے ثعلبه ، فوارس اور رباح کو حقیر سمجھ لیا اور ان سے طهيّة اور خشاب کی طرف منہ کر لیا حالانکہ یہ دونوں قبیلے (طهية اور خشاب) ثعلبه اور رباح کی طرح نہیں ہیں۔فراء اور ابو عبیدہ کا بھی یہی قول ہے۔اور یہ (ساحر او مجنون) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ولا تطع منهم اثما أو كفورًا (الدهر ۲۴) کی طرح ہے معنی یہ ہے کہ آپ گنہگار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کریں۔

(۴۰) **فَاَخَذۡنٰهُ وَ جُنُوۡدَهٗ فَنَبَذۡنٰهُمۡ فِی الۡیَمِّ** (پھر ہم نے اسے پکڑ لیا اور اس کے لشکر کو، پھر ہم نے انہیں دریا میں پھینک دیا) یعنی ہم نے انہیں بحر احمر میں پھینک دیا اور وہ غرق ہو گئے۔ **وَهُوَ مُلِيۡمٌ** (ترجمہ:۔اور وہی قابل ملامت (فعل کا مرتکب) تھا) یعنی ایسی چیز کا ارتکاب کیا جسکی وجہ سے اس پر ملامت کی جاتی رہے گی۔کیونکہ اس نے سرکشی اور تکبر کیا اور رب ہونے کا دعویٰ کیا اور رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کا انکار کیا اور اللہ کے بندوں کو مجبور و مغلوب کیا اور حد سے بڑھ گیا۔صاحبِ کشاف فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ پوچھیں کہ جس لفظ (ملیم) کے ساتھ فرعون کو متصف کیا گیا ہے اُسی لفظ کے ساتھ اس ارشاد "فالتقمه الحوت و هو مليم" (الصافات ۱۴۲) میں اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کو کیونکر متصف کیا گیا ہے؟ تو اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ملامت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں، کبیرہ گناہ کا مرتکب شخص اسی گناہ کی مقدار کے مطابق ہی "ملوم" ہوگا، اسی طرح صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا۔کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کے ان دو ارشادات وعصوا رسله (هود ۵۹) اور وعصىٰ آدم ربه (طٰهٰ ۱۲۱) کو نہیں دیکھا؟ نافرمانی چھوٹی ہو یا بڑی دونوں ہی کو "عصیان" کہا جاتا ہے۔انتهی

(۴۱) **وَفِیۡ عَادٍ** (ترجمہ:۔اور عاد میں بھی (عبرت کی نشانی ہے)) یعنی عاد کے قصۂ ہلاکت میں بھی ہم نے نشانِ عبرت رکھا ہے۔ **اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الرِّیۡحَ الۡعَقِیۡمَ** (ترجمہ:۔جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی ہوا بھیجی) یہ (**الریح العقیم**) اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو نہ درختوں کو باردار کرتی ہے اور نہ ہی بادلوں کو لاتی ہے اور نہ نباتات کو اُگاتی ہے۔ یہ ابو اسحٰق کا قول ہے۔ اس کی ضد ''**ریح لا قح**'' ہے۔ یہ اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو درختوں کو باردار کرتی ہے اور بادلوں کو لاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ ''**نکباء**'' ہے یہ وہ ہوا ہوتی ہے جو دو ہواؤں کے درمیان چلتی ہے۔ اسے ''**نکباء**'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا رخ معروف ہواؤں کے رخ سے الگ اور ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ متعدد ہوائیں ہیں اس سے مراد دبور (پچھوائی ہوا) ہے۔

(۴۲) **مَا تَذَرُ مِنۡ شَیۡءٍ اَتَتۡ عَلَیۡهِ** (ترجمہ:۔نہیں چھوڑتی تھی کسی بھی چیز کو جس پر آتی) یعنی ان کے چوپایوں اور اموال اور خود ان پر، جس پر سے بھی وہ ہوا گزرتی۔ **اِلَّا جَعَلَتۡهُ کَالرَّمِیۡمِ** (ترجمہ:۔مگر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی تھی) یعنی ہلاک، بوسیدہ اور چورا چورا ہو جانے والی چیز کی طرح کر دیتی تھی۔ ''**رمیم**'' اصل میں عام گھاس پھوس کے باقی رہ جانے والی تنکوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ ابن جریر طبری کہتے ہیں کہ عربوں کی زبان میں زمین کے نباتات میں سے جو سوکھ جاتا اور پاؤں میں پائمال ہو جاتا ہو وہ ''رمیم'' ہے۔ قطرب کہتے ہیں کہ یہ راکھ ہے۔ اُن کا تفصیلی قصہ گزر چکا ہے۔

(۴۳) **وَفِیۡ ثَمُوۡدَ اِذۡ قِیۡلَ لَهُمۡ** (ترجمہ:۔اور ثمود میں (بھی) جب انہیں کہا گیا) یعنی ہم نے قوم ثمود کے واقعہ میں بھی نشانی رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ **تَمَتَّعُوۡا** (ترجمہ:۔فائدہ اٹھالو) یعنی تم لوگ دنیاوی امور اور نعمتوں سے آسودہ ہوتے ہوئے عیش کرلو **حَتّٰی حِیۡنٍ** (ترجمہ:۔ایک مقرر وقت تک) یعنی تین دن تک فراء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اس حکم (**تمتعوا**) میں شدید ترین دھمکی ہے کیونکہ معین نفع اٹھا لینے کے بعد ان کے لئے موت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

(۴۴) **فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ** (ترجمہ:۔تو انہوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی) کیونکہ انہوں نے عذاب نازل ہونے کی علامات ظاہر ہونے کے بعد اپنے نبی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اسے گرفتار کرنے کی بڑی کوشش بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا اور سرکش و نافرمان قوم کی بستی سے (بحفاظت) نکال لیا۔ **فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ** (ترجمہ:۔پھر انہیں ایک سخت کڑک نے آلیا) اس سے وہ سخت آگ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوئی۔ اس میں سخت چنگھاڑ اور شور تھا جس نے انہیں جلا کر راکھ کر دیا۔ **وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ** (ترجمہ:۔حالانکہ وہ دیکھ رہے تھے) یعنی تین دن گزرنے کے بعد وہ انتظار کر رہے تھے۔

(۴۵) **فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِیَامٍ** (ترجمہ:۔پھر وہ کھڑے بھی نہ ہو سکے) یعنی وہ اس کڑک کی وجہ سے عاجز ہو گئے اور کھڑے بھی نہ ہو سکے اور گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ **وَّمَا کَانُوۡا مُنۡتَصِرِیۡنَ** (ترجمہ:۔اور نہ ہی وہ غالب ہو سکے) یعنی

اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکے۔

(۴۶) **وَ قَوْمَ نُوْحٍ** (ترجمہ:۔اور نوح کی قوم کو) یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی ہلاک کر دیا۔ یا یہ کہ نوح کی قوم کو یاد کر۔ ابوعمرو، حمزہ اور کسائی نے لفظ قوم کا ثمود پر عطف ہونے کی وجہ سے اسے زیر کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ''و فی قوم نوح'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بھی یہی قرأۃ ہے اور باقی قراء کی بھی۔ نیز ابوعمرو کی ایک اور روایت کے مطابق زبر کے ساتھ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ **اخذتھم** کے ضمیر پر عطف ہونے کی وجہ سے (زبر کے ساتھ ہے) اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ (**واخذ قوم نوح**) اور نوح کی قوم کو بھی کڑک نے آلیا۔ یا یہ کہ ''فنبذناھم'' پر عطف ہونے کی وجہ سے (زبر کے ساتھ) ہے۔ اور اصمعی نے ابوعمرو سے روایت کیا ہے کہ ''قوم نوح'' رفع کے ساتھ ہے اس لئے کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، وہ ہے **اھلکنا ھم** . **مِّنْ قَبْلُ** (ترجمہ:۔ان سے پہلے) یعنی ان ہلاک ہونے والوں سے بھی پہلے، کیونکہ نوح علیہ السلام کی قوم مذکورہ اقوام سے بھی پہلے تھی۔ **اِنَّھُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ** (ترجمہ:۔بیشک وہ فاسق لوگ تھے) یعنی وہ اللہ کی اطاعت سے نکل جانے والے لوگ تھے اس لئے ان کا عذاب میں گرفتار ہونا لازمی تھا۔

(۴۷) **وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا** (ترجمہ:۔اور آسمان کو ہم نے بنایا) کہا گیا ہے کہ یہاں پر اصل میں پوشیدہ عبارت یوں تھی ''**وبنینا السماء بنیناھا**'' پھر اس میں سے پہلے والے لفظ **بنینا** کو حذف کر دیا گیا کیونکہ دوسرا لفظ **بنینا** اس کا مفسر موجود تھا۔ ابوسمال مجاہد اور ابن مقسم نے ''السماء'' کو اور (اگلی آیت میں) ''الارض'' کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ دونوں مبتدا ہیں۔ اور باقی حضرات نے ہمارے پہلے بیان کردہ سبب کے پیش نظر انہیں نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ **بِاَيْدٍ** (ترجمہ:۔دست قدرت سے) ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ ''**بايد**'' کا مطلب ہے ''**بقوة**'' جیسے کہ **داؤد ذا الايد** میں ہے یعنی **داؤد ذا القوة**. **وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ** (ترجمہ:۔اور بیشک ہم وسیع قدرت والے ہیں) یعنی اس کی اور دوسری چیزوں کی تخلیق میں ہم قوت والے ہیں اور یہاں پر ''**ارادجعلنا بین السماء و بین الارض سعة**'' کہنا بھی جائز ہے۔ یعنی ہم نے آسمان اور زمین کے درمیان وسعت دینا چاہی۔ اسمیں ''**اوسع**'' بمعنی وسَّعَ کے ہے۔ **اوسع الرجل** کہنے کا مطلب ہوتا ہے کہ ''**صار ذاسعة و غنی**'' یعنی فلاں شخص قوت و دولت والا ہوگیا۔ لہذا **وانا لموسعون** کا معنی یہ ہوگا کہ ہم غنی اور قوت والے ہیں۔ جب کسی کو **اوسع اللہ علیک** کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تجھے غنی (غیر محتاج) کر دے۔ **رجل موسع** کا مطلب ہے کشادگی و دولت والا شخص اسی مناسبت سے امرئ القیس کا شعر ہے کہ

فتوسع اھلھا قطار و سمنا و حسبک من غنی شبع وری

اور بعض نے کہا ہے کہ ''**الوسع**'' اور ''**الوسع**'' کے معنی ہیں بزرگی و عظمت اور طاقت۔ حدیث میں آیا ہے **انکم لن**

تسعوا الناس باموالکم فسعوھم باخلاکم یعنی تم لوگوں کو اپنے اموال کے ذریعہ پورے نہیں پڑ سکتے ہو۔ انہیں اپنے اخلاق سے کفایت کرو، یعنی تمہارے مال انہیں دینے میں پورے نہیں پڑ سکیں گے۔ ان کی صحبت کے لئے تم اپنے اخلاق کو وسعت دو۔

(۴۸) **وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا** (ترجمہ:۔اور زمین کو ہم نے بچھایا) یعنی اسے ہم نے پھیلایا اور بچھونا بنایا۔ **فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ** (ترجمہ:۔تو کیا ہی خوب بچھانے والے ہیں) یعنی ہم مھدت الفراش کا مطلب ہے کہ میں نے بستر بچھایا، اسے پھیلایا۔

(۴۹) **وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ** (ترجمہ:۔اور ہر چیز میں سے ہم نے جوڑا بنایا) یعنی دو صنفیں یا دو نوع مذکر اور مونث میں سے بحر و بر، شمس و قمر، آسمان و زمین، نور و ظلمت، جن و انس، موت و حیات اور کفر و ایمان۔ **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** (ترجمہ:۔تا کہ تم نصیحت حاصل کرو) اور میری الوھیت اور وحدانیت پر استدلال کر سکو۔

(۵۰) **فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ** (ترجمہ:۔تو اللہ کی طرف دوڑو) یعنی کفر و شرک سے فرار اختیار کر کے اللہ کی طرف آؤ۔ اللہ کی طرف فرار اختیار کرنے سے مراد ہے توبہ کرنا۔ **اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ** (ترجمہ:۔بیشک میں تمہیں اس سے) یعنی اللہ سے **نَذِیْرٌ** (ترجمہ:۔ڈرانے والا) نذیر بمعنی منذر ہے۔ **مُّبِیْنٌ** (ترجمہ:۔کھول کر بیان کرنے والا ہوں) یعنی اس کے ڈر اور عذاب کو واضح کر کے بیان کرتا ہے۔

(۵۱) **وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ** (ترجمہ:۔اور اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبود مت بناؤ) یہ اس چیز کا بیان ہے جس سے فرار اختیار کرنا (بھاگنا) ضروری ہے اور وہ ہے شرک۔ اللہ نے انہیں شرک سے منع فرمایا۔ شرک و معاصی سے اجتناب برتنا اللہ کی طرف فرار اختیار کرنا ہے۔ **اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ** (ترجمہ:۔بیشک میں تمہیں اس سے کھول کر ڈرانے والا ہوں) یہ جملہ نہی کی علت بیان کرنے کے لئے ہے اور اس کی تکرار تاکید کی وجہ سے ہے اور یہ بہت بڑی دھمکی ہے۔

(۵۲) **كَذٰلِكَ** (ترجمہ:۔اسی طرح) یعنی معاملہ اور اصل حقیقت اس طرح ہے کہ **مَآ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ** (ترجمہ:۔نہیں آیا اگلے لوگوں کے پاس کوئی بھی رسول مگر وہ کہتے تھے کہ جادوگر ہے یا دیوانہ) سابقہ کفار کی عادت ہوتی تھی کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو ساحر یا مجنون کا لقب دیتے تھے یہ جاہل بادیہ نشین لوگ بھی اُن کی تقلید کرتے ہیں۔

(۵۳) **اَتَوَاصَوْا بِهٖ** (ترجمہ:۔کیا انہوں نے انہیں اس کی وصیت کی تھی) یعنی ان کے اگلوں نے اپنے پچھلوں کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے اور رسولوں کو جھٹلانے کی وصیت کی تھی؟ **بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ** (ترجمہ:۔بلکہ وہ سرکش قوم ہیں) دراصل یہ (ان کی سرکشی) وصیت ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ ان کی سرکشی کفر و شرک پر جمع ہونا ہے اور جب یہ سرکشی ان کی جبلت میں داخل ہے اور

فرمانبرداری کی طرف ان کا پلٹنا ممتنع معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

(۵۴) **فَتَوَلَّ** (ترجمہ:۔پھیر دیجئے) یعنی کنارہ کر لیجئے۔منہ موڑ لیجئے۔ **عَنۡهُمۡ فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ** (ترجمہ:۔ان سے آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے) اللہ کے نزدیک ان سے منہ موڑنے کی وجہ سے۔اس لئے کہ آپ نے تبلیغ، تعلیم اور نصیحت کے لئے پوری پوری کوشش کر دی لیکن وہ ان کے حق میں مفید نہ ہوئی۔

(۵۵) **وَّذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ** (ترجمہ:۔اور آپ نصیحت کرتے ہیں یقیناً نصیحت کرتے رہنا مؤمنون کو فائدہ دیتا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جن کا نہ ایمان لانا اللہ نے اپنے علم میں مقدر فرما دیا ہے۔ان کے علاوہ اللہ پر اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ "**ذالک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین**" میں اللہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔یعنی جو شخص اللہ کے علم کے مطابق کفر و شرک سے بچنے والا ہوگا تو "**الکتاب**" یعنی قرآن اسے راہ راست عطا فرمائے گا اور اسے نفع پہنچائے گا۔مقصد یہ ہے کہ نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمن ہی ہیں۔

(۵۶) **وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ** (ترجمہ:۔اور پیدا نہیں کیا میں نے جن و انس کو مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں) روایت ہے کہ جب "**فتول عنهم**" نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ غمگین ہو گئے اور آپ کے صحابہ پر بہت ہی دشوار گذرا اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اور عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے تو اُس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔صاحبِ کشاف نے فرمایا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ **و ما خلقت الجن والانس الالاجل العبادة ولم ارد من جمیعهم الا ایاها** "یعنی میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لئے اور میں ان تمام سے عبادت کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے اگر عبادت ہی کا ارادہ فرماتا تو یقیناً وہ سب کے سب عبادت گزار ہوتے؟ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ان سب سے یہی تقاضہ ہے کہ وہ اس کی طرف مجبور ہو کر نہیں بلکہ اپنے اختیار سے اس کی عبادت کریں کیونکہ اس نے انہیں قدرت دے کر پیدا کیا ہے تو کچھ نے ترک عبادت کو اختیار کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سے بھی عبادت ہی چاہتا تھا اور اگر وہ انہیں ان کی مرضی کے خلاف عبادت کرنے پر مجبور کرنا چاہتا تو یقیناً سب اس کے عبادت گزار ہوتے۔یہ جواب طریقہ معتزلہ کے مطابق ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آیت مبارکہ عام ہے۔اس میں سے بعض کو خاص کیا گیا ہے، کیونکہ انسانوں میں بچے اور بے وقوف بھی شامل ہیں جس کے غیر مکلّف ہونے پر سب کا اجماع ہے وہ عبادت کے لئے مامور نہیں ہیں۔لہذا وہ ان دونوں صفات (صغرسنی اور پاگل پن) کے باوصف اس آیت کے عموم میں داخل نہیں ہیں۔اس لئے اس کا حکم قطعی نہیں رہا۔اور بعض کا قول ہے کہ **لیعبدون** کے معنی ہیں **لیعرفون** جو کہ ضعیف قول ہے کیونکہ معرفۃ ایمان سے مختلف چیز ہے، اس لئے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور اس لئے بھی کہ مطلق معرفت

نجات کے لئے مفید نہیں ہوتی۔ نجات کے لئے مفید وہ معرفت ہوتی ہے جو نبی پاک ﷺ کی تعلیم سے حاصل ہوئی ہو، اور میرے نزدیک جن وانس سے مراد ان کے وہ افراد ہیں جنہیں نصیحت کرنا مفید ہوتا ہے اور وہ مومن ہیں۔ اسی راز کی وجہ سے "**فان الذکری تنفع المؤمنین**" کو پہلے لایا گیا ہے اس لئے "**الجن والانس**" پر داخل لام (ل) استغراق کا نہیں ہے بلکہ وہ لام عہد کا ہے۔ لہذا "**الجن**" سے مراد مومن جنات اور **الانس** سے مراد مومن انسان ہی ہیں۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "**ولو شاء اللہ ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا**" (یونس ۹۹) سے بھی ہوتی ہے۔ پس جب ان کی ہدایت کے لئے مشیت خداوندی پائی ہی نہیں گئی تو پھر اللہ تعالیٰ ان سب سے عبادت کا ارادہ کیونکر فرمائے گا۔

(۵۷) **مَا اُرِیۡدُ مِنۡھُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّ مَا اُرِیۡدُ اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنِ** (ترجمہ:۔ میں ان سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ کہ وہ مجھے کھلائیں) یعنی میں جنوں اور انسانوں سے رزق نہیں چاہتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں پلائیں کیونکہ میں تو غنی مطلق ہوں اور ہر اس چیز سے پاک ہوں جس کی طرف مخلوق محتاج ہوتی ہے۔ صاحبِ کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں طویل گفتگو فرمائی ہے۔ اس نے فرمایا ہے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ میرا معاملہ میرے بندوں کے ساتھ ایسا نہیں ہے جیسا کہ آقاؤں کا اپنے غلاموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ غلاموں کے آقا ان کے مالک بنتے ہی اس لئے ہیں تاکہ وہ اپنی معیشت کے حصول اور روزی کے مہیا کرنے میں ان سے مدد حاصل کر سکیں، وہ یا تو تجارت میں ان کے ذریعہ منافع چاہتے ہیں یا کھیتی باڑی کے لئے زمین میں ہل چلواتے ہیں یا کسی حرفت کے ذریعہ ان کی اجرت سے نفع کمانا چاہتے ہیں یا ان سے لکڑیاں چنواتے ہیں یا پانی بھرواتے ہیں یا باورچی گیری کراتے ہیں یا روٹیاں پکواتے ہیں یا ایسے ہی اور دوسرے کام اور خدمات لیتے ہیں جو کہ معیشت کے اسباب مہیا کرنے اور رزق کے ابواب وا کرنے میں اثر ونفوذ رکھتے ہیں، البتہ غلاموں کے مالکوں کے مالک نے انہیں فرمایا ہے کہ تم ان امور واعمال میں مصروف رہو جو خود تمہاری ذات کے لئے باعث سعادت ہوں، میں تمہیں اپنے رزق یا خود تمہارے رزق کی بہم رسانی میں مشغول رکھنا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے سہارے و تعاون اور خود تم سے بے نیاز ہوں اور فرمایا کہ

(۵۸) **اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالۡقُوَّۃِ الۡمَتِیۡنُ** (ترجمہ:۔ بے شک اللہ ہی رزاق، قوت والا مضبوط ہے) یعنی میں تمہیں رزق اور تمہارے فائدے کی چیزیں اور سامانِ معیشت دیکر تم پر فضل فرمانے والا ہوں۔ اور وہ میں اکیلا ہی ہوں۔ انتھی یہ تفسیر حالتِ خطابت پر ہی منحصر ہے۔ جمہور نے "متین" کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ وہ "رزاق" کی صفت ہے جبکہ اعمش اور ابن وثاب نے اسے زیر کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ وہ (متین) قوۃ کی صفت ہے جو کہ اقتدار کے معنی میں ہے اور یہ صاحب کشاف کا قول ہے۔ فرّاء نے کہا ہے کہ حق تو یہ تھا کہ "التینۃ" (یعنی ذو القوۃ التینۃ) فرمایا جاتا لیکن اس کے (المتین) ذریعہ انتہائی مضبوط اور سخت بٹی ہوئی مستحکم چیز مراد لی گئی ہے، حبل "متین" کا مطلب ہے "**محکم الفتل**" یعنی مضبوط بٹی ہوئی رسی، اس کے معنی ہیں شدید اور یہ ابن

عباس کا قول ہے۔

(۵۹) **فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا** (ترجمہ:۔تو یقیناً ان کے لئے جنہوں نے ظلم کیا) کفر وشرک کو اختیار کر کے **ذَنُوْباً مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ** (ترجمہ:۔(عذاب کا) حصہ ہے ان کے ساتھیوں کے حصے کی طرح تو یہ مجھ سے جلد بازی کا مطالبہ نہ کریں) "ذنوب" حظ اور نصیب کو کہتے ہیں۔ابوذویب نے کہا ہے۔

لعمرک والهنایا غالبات لکل بنی اب منها ذنوب

تیری عمر کی قسم آرزوئیں غالب ہیں ہر فرزند کے لئے ان میں سے حصہ ہے۔

فرّاء نے کہا ہے کہ کلام عرب میں "ذنوب" بڑے مٹکے کو کہا جاتا ہے لیکن عرب اسے نصیب اور حصہ کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں اور اس نے یہ شعر پیش کیا ہے۔

لهاذنوب و لکم ذنوب فان ابیتم فلنا القلیب

اور علقمہ بن عبدہ نے کہا ہے کہ

و فی کل حی قد خبطت بنعمة فحق لشاش من نداک ذنوب

ابوحیان اس شعر کی تفسیر میں فرماتا ہے کہ حارث بن ابی شہر الغسانی نے علقمہ کے بھائی شاش کو گرفتار کر لیا تھا۔علقمہ اس کے پاس گیا اور اس کی تعریف میں ایک قصیدہ جا کر پڑھا جس میں یہ شعر بھی تھا تو جب وہ اس شعر پر پہنچا تو حارث نے کہا کہ "نعم و اذنبه" یہاں میں اسے حصہ دیتا ہوں۔اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفر اور گناہوں کے ذریعہ اپنی جان پر ظلم کرنے والوں کے لئے، سابقہ امتوں کے کفار لوگوں کے عذاب کی طرح عذاب (کا حصہ) ہے لہذا وہ مجھ سے اس عذاب کی جلدی کا مطالبہ نہ کریں۔جو کہ میرے علم میں متعین اور موعود ہے۔

(۶۰) **فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ** (ترجمہ:۔تو کفر کرنے والوں کے لئے بربادی ہے ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے) عذاب کے لئے اور وہ قیامت کا دن ہے۔

اس سورۃ کی تفسیر مکمل ہوئی۔**والحمد لله العزیز یز العلام والصلوة علی رسوله سید الانبیاء الکرام و علی اله واصحابه البررة العظام.**